جملہ حقوق بحق مرکزی انجمن خدام القرآن اور دینِ حق ٹرسٹ محفوظ ہیں!

مذکورہ بالا دونوں ادارے ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی کتابوں، تحریروں اور اقتباسات کے ضمن میں اجازت دیتے ہیں کہ کوئی شخص یا پبلیشر اگر ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے علمی مواد کو شائع کرنا چاہتا ہے تو وہ اشاعت سے قبل چند ضوابط کی پابندی کرتے ہوئے، قیمتاً فروخت کرنے یا مفت تقسیم کرنے کے لیے، تحریری اجازت بلامعاوضہ مذکورہ بالا دونوں اداروں میں سے کسی ایک سے ضرور حاصل کر لے۔ اگر کوئی فرد پبلیشر معیّن کردہ ضوابط کی خلاف ورزی کرے گا تو اُس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

نام کتاب .... ''احسان اسلام (تزکیہ نفس)''
طبع اوّل (مارچ 2023ء).. 1100
طبع دوم (اگست 2023ء).. 2200
مقامِ اشاعت .... دارالاسلام مرکز تنظیم اسلامی ملتان روڈ لاہور
مطبع .... دارالناشر پرنٹنگ پریس، لاہور
ہدیہ/انفاق 50روپے

email: markaz@tanzeem.org
website: **www.tanzeem.org**

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	تعارف	2
2	احسان اسلام	4
3	احسان کی اہمیت	6
4	انسانی عمل کے دو محرکات	20
5	احسان اسلام کے چار گوشے	33

تعارف

ازروئے قرآن اور سنت واحادیث نبوی ﷺ افراد کے تزکیۂ نفس کی اہمیت اور ضرورت اظہر من الشمس[1] ہے۔ بالخصوص جب کہ وہ غلبہ و اقامتِ دین کا نصبُ العین[2] رکھنے والی جماعت سے بھی جڑے ہوئے ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بھی کچھ افراد کسی اجتماعی کام کے لیے اکٹھے بیٹھتے ہیں تو ان کے درمیان اختلاف رائے ہونا لازمی ہے۔ پھر یہ کہ ہر جماعت کے افراد کے درمیان لازماً ایک نقباء[3] کی زنجیر (Chain of Command) ہوتی ہے۔

اس نقباء کی زنجیر (Chain of Command) میں صاحبِ امر کی سمع وطاعت آسان کام نہیں ہے۔ جب تک جماعت کے ارکان کی مناسب تربیت نہ ہو چکی ہو۔ اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والی جماعت کے لیے تو یہ کام زیادہ محنت طلب ہے۔

یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ تزکیہ کے لیے ایک مربی[4] یا استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا تنظیمِ اسلامی کے پیشِ نظر "كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْؤُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ" کے اصول کے تحت نظم میں نقباء کی زنجیر (Chain of Command) کے ذریعہ رفقاء خصوصاً ذمہ داران پر تزکیہ کی اہمیت وضرورت کو اجاگر[5] کرنا، رضائے الٰہی اور اُخروی فلاح کے جذبے کے ساتھ تقرب الی اللہ بذریعہ فرائض ونوافل اوراذکار وادعیہ ماثورہ[6] کی طرف راغب[7] کرنا ہے۔ علاوہ ازیں اتباعِ رسول ﷺ اور تعامل[8] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر عملی پیش رفت[9] اور استقامت کی تلقین کا اہتمام کرنا پیشِ نظر ہے۔ اسی طرح فکری پختگی اور تحریکی فعالیت[10] کے ساتھ ساتھ اخلاقیات، ترکِ رذائل[11]، کسبِ فضائل اور سیرتِ رسول ﷺ کے مطالعہ اور درس وتدریس کا اہتمام

---

(۱) سورج سے زیادہ روشن نہایت واضح (۲) اصلی مقصد (۳) نگران (۴) تربیت کرنے والا
(۵) روشن (۶) حضور ﷺ سے منقول دعائیں (۷) مائل (۸) دائمی عمل (۹) ترقی
(۱۰) سرگرمی (۱۱) برائیاں

بھی مدِ نظر ہے تا کہ رفقاء میں انفرادی طور پر عقائد، عبادات، معاشرت اور معیشت کے حوالے سے ظاہری اعمال کی ادائیگی اور باطنی کیفیات کے جائزہ وخود احتسابی[۱] کا اہتمام بھی فروغ[۲] پائے۔

تربیت وتزکیہ کا اصل مقصد انسانی شخصیت کی تعمیر یعنی اس میں ودیعت شدہ[۳] صلاحیتوں کو اس طرح بروئے کار لانا[۴] ہے کہ وہ اُخروی فلاح پا سکے۔ یہ کام کس طرح ہوگا؟ اس کو خوب اچھی طرح سمجھنے اور ذہن نشین کرنے کے لیے ضرورت پیش آئی کہ ایک مختصر کتابچہ ترتیب دیا جائے جس میں تزکیۂ نفس[۵] کی اہمیت وضرورت، اس کے مدارج اور اس کی انتہائی منزل "احسان" کو قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح کیا جائے۔ تزکیۂ نفس اور احسان میں کیا ربط[۶] ہے؟ اس کو سمجھا جائے۔ مزید یہ کہ تزکیہ صرف اپنے نفس کی تہذیب اور روح کی بالیدگی ہی کا نام نہیں بلکہ یہ اپنے اندر تمام انفرادی واجتماعی اعمال کی تہذیب[۷] اور بہترین طریقے سے کرنے کا نام ہے۔

مذکورہ بالا مقاصد حاصل کرنے کے لیے عملی طور پر کیا اقدامات کیے جائیں؟ مرکزی شعبۂ تعلیم وتربیت نے اس کے لیے چار گوشوں پر مشتمل ایک لائحہ عمل[۸] بھی ترتیب دیا ہے۔ جس کی تفصیلی وضاحت بھی اس کتابچہ میں کر دی گئی ہے۔

امید ہے تنظیمِ اسلامی کے رفقاء بالخصوص ذمہ داران اس کتابچہ کا بغور مطالعہ فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارا حامی وناصر[۹] ہو، ہماری جدوجہد ہمارے لیے آسان فرما دے۔ ہمارے نفوس کا تزکیہ کر دے۔ ہماری روحوں کو جلا بخشے[۱۰] اور ہمیں آخرت میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین-----

خورشید انجم

ناظم مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت

---

(۱) اپنے اعمال کا جائزہ (۲) ترقی (۳) عنایت شدہ (۴) استعمال میں لانا

(۵) نفس کو گناہوں کی آلائشوں سے پاک کرنا (۶) تعلق (۷) اصلاح (۸) عملی پروگرام

(۹) حمایتی اور مددگار (۱۰) چمکانا

احسانِ اسلام (تزکیۂ نفس)

تزکیہ اور احسان دو بہت اہم اصطلاحات ہیں۔ قرآن مجید میں جا بجا دونوں اصطلاحات بکثرت استعمال ہوئی ہیں۔

تزکیہ دراصل ایک عمل (Process) کا نام ہے۔ جو ایک مسلمان کو احسان کی منزل تک پہنچا دیتا ہے۔

آیئے پہلے سمجھتے ہیں کہ تزکیہ اور احسان کی ہمارے دین میں کیا اہمیت ہے۔

تزکیۂ نفس کی اہمیت:

تزکیہ کا لغوی مفہوم ہے کسی چیز کو آلودگی سے پاک کر کے اسے خوبصورت اور خوش نما بنانا اور ساتھ ہی ساتھ اس کی نشو ونما اور افزائش کرنا۔ تزکیہ کا اصطلاحی مفہوم ہے نفس کی اصلاح کر کے اس کو سنوارنا۔ انگریزی میں اس مفہوم کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

Struggle to improve oneself continuously

لوگوں کے نفوس کا تزکیہ کرنا انبیاء علیہم السلام کے فرائض میں سے ایک فریضہ ہے۔ قرآن مجید میں چار مقامات پر رسول اللہ ﷺ کی چار ذمہ داریوں کا بیان ہے۔ ہم طوالت سے بچتے ہوئے صرف سورۃ الجمعہ آیت نمبر 2 اور اس کا ترجمہ بیان کر رہے ہیں۔

﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (الجمعہ:2)

”وہی تو ہے اللہ تعالیٰ جس نے اٹھایا اُمیین میں ایک رسول ان ہی میں سے، جو ان کو پڑھ کر سناتے ہیں اُس کی آیات اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں اور انہیں تعلیم دیتے ہیں کتاب وحکمت کی۔ اس سے پہلے تو وہ کھلی گمراہی

میں تھے۔"

درج بالا آیت سے رسول اللہ ﷺ کی چار ذمہ داریاں سامنے آتی ہیں:

1) تلاوت قرآن۔

2) لوگوں کا تزکیہ کرنا۔

3) ان کو کتاب اللہ کی تعلیم دینا۔

4) ان کو حکمت کی تعلیم دینا۔

ان چاروں باتوں پر غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بھی اصل اہمیت دراصل عملِ تزکیہ کی ہے۔ اور باقی تینوں اعمال یعنی تلاوتِ آیات اور تعلیمِ کتاب و حکمت درحقیقت عملِ تزکیہ کے ذرائع کی حیثیت رکھتے ہیں۔

پھر یہ کہ قرآن مجید اُخروی کامیابی اور جنت میں داخلہ کے لیے عملِ تزکیہ کو ایک شرط قرار دیتا ہے۔

سورۃ الاعلیٰ آیت نمبر 14 میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾

"بے شک جس نے خود کو پاک کرلیا وہ کامیاب ہوگیا۔"

اور سورۃ طٰہٰ آیت نمبر 76 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا مَنْ تَزَكّٰى ۝ۧ﴾

"رہنے کے ایسے باغات جن کے دامن میں نہریں بہتی ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہی بدلہ ہے اُس کا جس نے اپنے آپ کو پاک کیا۔"

احسان کی اہمیت

امام راغب اصفہانی مفردات القرآن میں حسن کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے مراد ایسا حسین ہونا ہے جو ہر لحاظ سے پسندیدہ اور عمدہ ہو۔ اس کا عمدہ ہونا عقل کے پیمانے پر بھی پورا اترتا ہو۔ قلبی رغبت [1] اور چاہت کے اعتبار سے بھی دل کو بھلا لگتا ہو اور تیسرا یہ کہ حِسّی طور پر یعنی دیکھنے سننے اور پرکھنے کے اعتبار سے بھی پُرکشش ہو۔

اسی سے باب افعال کا مصدر "احسان" ہے۔ گویا احسان ایسا عمل ہے جس میں حسن و جمال کی ایسی شان موجود ہو کہ ظاہر و باطن میں بھی حسن ہو اور اس میں کسی قسم کی کراہت [2] اور ناپسندیدگی کا امکان تک نہ ہو۔ پس عمل کی اسی نہایت عمدہ اور خوبصورت ترین حالت کا نام احسان ہے اور اسی کا دوسرا قرآنی نام "تزکیہ" ہے اور اس کے حصول کا طریقہ اور علم "سلوک" کہلاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ متفق علیہ حدیث میں ہے کہ ایک روز حضرت جبرائیل علیہ السلام بارگاہ رسالت میں انسانی شکل میں حاضر ہوئے اور امت کی تعلیم کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان، اسلام اور احسان کے بارے میں دریافت کیا۔ (طوالت سے بچتے ہوئے موضوع کی مناسبت سے ہم صرف اس حدیث کے آخری حصہ کو بیان کر رہے ہیں۔)

جب جبرائیل علیہ السلام نے احسان کے بارے میں سوال کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

((اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ. فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ))

"اس کیفیت میں اللہ کی بندگی کرو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، پس اگر تم اسے

---

(۱) رجحان۔توجہ (۲) نفرت

نہیں دیکھ رہے تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔"

یعنی احسان یہ ہے کہ بندہ اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے، اور وہ (بندہ کو اگر یہ کیفیت نصیب نہیں اور اسے) نہیں دیکھ رہا تو (کم از کم یہ یقین ہی پیدا کر لے) کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے۔

امام نووی شرح صحیح مسلم کتاب الایمان میں فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں بندہ اپنی عبادت کو پورے کمال کے ساتھ انجام دے گا اور اس کے ظاہری ارکان و آداب کی بجا آوری[1] اور باطنی خضوع و خشوع[2] میں کسی چیز کی کمی نہیں کرے گا۔ الغرض عبادت کی اس اعلیٰ درجہ کی حالت اور ایمان کی اس اعلیٰ کیفیت کو احسان کہتے ہیں اور وہ مومنین جنہیں یہ کیفیت حاصل ہو جائے انہیں قرآن مجید "محسنین" کہتا ہے۔

قرآن مجید میں بھی متعدد مقامات پر مثلاً سورۃ البقرۃ آیت نمبر 195، سورۃ آلِ عمران آیت 134 میں

"اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ" اور "وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ"

"اور اللہ محسنین سے محبت کرتا ہے" کے الفاظ آئے ہیں۔

سورۃ المائدہ آیت نمبر 85 میں محسنین کی جزاء کے طور پر جنت کا تذکرہ آیا ہے۔

"وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ" یہ (جنت) بدلہ ہے محسنین کا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ ہیں:

((اَنْ تَخْشَى اللّٰهَ تَعَالٰى))

"کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔"

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ

(اَنْ تَعْمَلَ لِلّٰهِ)

کہ تم عمل کرو اللہ کے لیے (یا محنت کرو اللہ کے لیے)

---

(۱) انجام دہی (۲) عاجزی اور گڑگڑانا

اب ہم اگر ان تینوں روایات کو ذہن میں رکھیں (اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ ، اَنْ تَخْشَى اللّٰهَ اور اَنْ تَعْمَلَ لِلّٰهِ) تو معلوم ہوگا کہ ان تمام روایات میں عبادت کا مفہوم وہ نہیں ہے جو عوامی سطح پر ہمارے ہاں مشہور ہوگیا ہے۔ عوامی سطح پر عبادت کا تصور محض نماز، روزہ، حج، قربانی، صدقہ اور اذکار تک محدود ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں کے نزدیک بھی "احسان" کا مفہوم انہی چیزوں کے ساتھ محدود ہو کر رہ گیا ہے کہ بس نماز بہتر سے بہتر ہو، عمدگی سے ادا کی جائے، اس میں خشوع وخضوع ہو اور تعدیلِ ارکان (۱) کا لحاظ رکھا جائے۔ اسی طرح دیگر عبادات بھی خوش اسلوبی سے ادا کی جائیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام عبادات احسان کے درجہ میں ہونی چاہئیں مگر تمام روایات پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ عبادت کا وسیع تر مفہوم ہمارے سامنے رہنا چاہیے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی ہمہ تن، ہمہ وقت اور ہمہ جہت اطاعت کرنی ہے۔ پھر یہ کہ عبادت میں محبت کا عنصر بھی شامل رہنا چاہیے کیونکہ محبت "عبادت" کی روح ہے۔ اس کے علاوہ خلوصِ نیت اور عاجزی و انکساری بھی عبادت کی لازمی شرائط ہیں ۔ مزید برآں (۲) اللہ تعالیٰ کو جزوی اطاعت قبول نہیں۔ ہمارا پروردگار تو کلّی اطاعت جس میں شرک کی ذرہ برابر بھی آمیزش (۳) نہ ہو، چاہتا ہے۔ کلّی اطاعت کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات پر عمل کرنے کی مقدور بھر کوشش کرنا اور غیرُ اللہ کا ہر وہ حکم ٹھکرا دینا اور نہ ماننا جو اللہ کی اطاعت میں آڑے (۴) آئے۔

سورۃ البقرۃ: آیت نمبر 256 میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۵۶﴾

---

(۱) ارکان کی اطمینان سے ادائیگی (۲) اس پر مزید (۳) ملاوٹ (۴) رکاوٹ بننا

" دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔ تو جو کوئی بھی طاغوت کا انکار کرے اور پھر اللہ پر ایمان لائے تو اُس نے بہت مضبوط سہارا تھام لیا۔ جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔"

لہٰذا قرآن مجید میں جہاں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جیسی عبادات کا حکم ہے، دعوت وتبلیغ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، شہادت علی الناس کے علاوہ دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کرنے کا بھی حکم آیا ہے۔ فحاشی اور سود سے بچنے اور حقوق العباد ادا کرنے، عمدہ اخلاق اپنانے اور برے اخلاق ترک کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا احسان کا مفہوم ان تمام احکامات پر بھی لاگو[1] ہوتا ہے۔ ہم نے عبادت کے مفہوم کا یہاں اجمالاً تذکرہ کر دیا ہے۔ ان تمام باتوں کی تفصیل آگے بیان ہو رہی ہے۔

تربیت وتزکیہ

انسانی شخصیت کی تربیت وتزکیہ اصلاً اس شخص کی تعمیر یعنی اس میں ودیعت شدہ[۲] صلاحیتوں کو ایک اعلیٰ مقصد کے لیے بروئے کار[۳] لانا ہے۔ اور وہ مقصود یہ ہے کہ وہ عبادت کے وسیع اور ہمہ گیر تصور کو سامنے رکھتے ہوئے بہترین طریقہ سے اپنی تمام انفرادی واجتماعی ذمہ داریاں ادا کرنے کے قابل ہو جائے تاکہ آخرت میں اس کی کامیابی یقینی ہو جائے لیکن یہ کام آسان نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا نفس نیکی اور بدی کی صلاحیتوں کے دو متضاد ومتحارب[۴] اجزائے ترکیبی پر مشتمل ہے۔ ان میں باہم مخالفت اور کشمکش بھی ہے اور رسہ کشی اور کھینچ تان کی کیفیت بھی۔ وہ دو اجزاء ہیں: نفسِ انسانی (حیوانی وجود) اور روحِ ملکوتی (روحانی وجود)۔ انسان کی شخصیت صرف اسی صورت میں پروان چڑھ[۵] سکتی ہے جب ایک طرف اس کی روح کو جلا بخشنے[۶] کا اہتمام کیا جائے اور رُوح کو اس کی غذا مہیا کی جائے تاکہ وہ طاقت ور ہو اور دوسری طرف

---

(۱) عائد (۲) عنایت کردہ (۳) استعمال میں لانا (۴) مخالف (۵) پھلنا پھولنا (۶) چمکانا

نفسِ انسانی کی تراش خراش (گناہوں سے بچاؤ) کر کے اس کو خوبصورت بنایا جائے، اس کے تزکیہ اور تربیت کا سامان کیا جائے اور نفسانی خواہشات کو لگام[1] دی جائے۔

چنانچہ تنظیم اسلامی میں نظامِ تربیت کے حوالے سے قرار دادِ تاسیس میں روزِ اوّل سے یہ بات درج کر دی گئی ہے کہ "اس کے پیشِ نظر اجتماعیت (مراد ہے تنظیم اسلامی) کی نوعیت[2] ایسی ہونی چاہیے کہ اُس میں فرد کی دینی اور اخلاقی تربیت کا کماحقہٗ[3] لحاظ رکھا جائے اور اس امر[4] کا بھی خصوصی اہتمام کیا جائے کہ اس کے تمام شرکاء کے دینی جذبات کو جِلا[5] حاصل ہو، ان کے علم میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے، ان کے عقائد کی تصحیح و تطہیر[6] ہو، عبادات اور اتباعِ سنت سے ان کا شغف اور ذوق وشوق بڑھتا چلا جائے، عملی زندگی میں حلال وحرام کے بارے میں اُن کی حس تیز تر اور اُن کا عمل زیادہ سے زیادہ مبنی بر تقویٰ ہوتا چلا جائے اور دین کی دعوت و اشاعت اور اس کی نصرت و اقامت[7] کے لیے اُن کا جذبہ ترقی کرتا چلا جائے۔ ان تمام اُمور کے لیے ذہنی اور علمی رہنمائی کے ساتھ ساتھ عملی تربیت اور تاثیرِ صحبت[8] کے اہتمام کی جانب خصوصی توجہ ناگزیر[9] ہے۔"

(بحوالہ قرار دادِ تاسیس)

تزکیہ نفس کس لئے؟

اسلام کے نقطۂ نظر سے فرد کی شخصیت کی مسلسل بہتری اور اس کی ذات کی تکمیل مطلوب ہے۔ "دین کا اولین مخاطب فرد ہے۔ اُسی کی اخلاقی و روحانی تکمیل اور فلاح و نجات' دین کا اصل موضوع ہے۔ اِجتماعیت اصلاً اسی لیے مطلوب ہے کہ وہ فرد کو اس کے اصل نصب العین[10] یعنی رضائے الٰہی کے حصول میں مدد دے۔"

(بحوالہ قرار دادِ تاسیس)

---

(۱) روکنا (۲) خصوصیت (۳) بخوبی (۴) معاملہ (۵) چمک اٹھیں (۶) درستگی اور صفائی (۷) مدد کرنے اور قائم کرنے کے لیے (۸) باہمی ملاقات کا اثر (۹) لازمی (۱۰) اصلی مقصد

دین کے نظام میں فرد ہی وہ واحد اکائی (Basic Unit) ہے جس کو ابتدا میں عمل کی حیثیت سے اور انتہا میں نتیجۂ عمل پانے والے کی حیثیت سے بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اگر فرد خود اپنی شخصیت کو پستی میں گرادے تو وہ جماعت، جس سے وہ تعلق رکھتا ہے اور اس جماعت کے اجتماعی نظام کی خوبی اسے کچھ بھی نفع نہیں پہنچاسکتی بلکہ اگر وہ کسی صالح جماعت اور صالح اجتماعی نظام سے وابستہ بھی تھا پھر بھی اس نے اپنی ذات کی تکمیل کے ان مواقع سے فائدہ نہ اٹھایا، جو اس صالح جماعت اور صالح نظام نے اسے مہیا کئے تھے، تو یہ چیز قیامت میں اس کے خلاف ایک مضبوط دلیل بن جائے گی۔ اسی طرح اگر جماعت اور اجتماعی نظام کے فساد کے باوجود وہ اپنی کوشش سے اس کمال کو پہنچ گیا جس تک وہ پہنچ سکتا تھا تو یہ چیز اس کے حق میں ایک دلیل بن جائے گی کہ ناموافق[1] حالات کے باوجود اس نے اتنی ترقی حاصل کرلی۔

اگر اجتماعی ماحول کسی باطل نظام پر قائم ہو، ہر طرف فساد برپا ہو، حالات خیر کے بجائے شر کے لئے سازگار ہوں تو ان حالات میں افراد کا تزکیہ کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ جماعت کو بھی درست راستہ پر گامزن کیا جائے اور اجتماعی نظام کو بھی پاک کیا جائے تاکہ افراد کے لئے ایسا سازگار ماحول پیدا ہو جس میں ان کی شخصیات صحیح نشوونما پا سکیں۔ مثلاً (صحیح مسلم کی حدیث کے مطابق) حرام کی غذا سے پرورش پائے ہوئے جسم پر جنت حرام ہے۔ لیکن اگر ایک غلط نظامِ معیشت نے رزق کے سارے چشموں کو گندہ کردیا ہو تو فرد حرام سے کیسے بچے اور رزقِ حلال کہاں سے حاصل کرے؟

لہٰذا فرد کی نجات بہت مشکل ہے اگر اس کی ترقی اور تکمیل کے راستے سے ان رکاوٹوں کو دور نہ کردیا جائے جو ایک بگڑی ہوئی جماعت اور فاسد اجتماعی نظام کی بدولت پیدا ہوتے ہیں اور ایک ایسا صالح اجتماعی نظام قائم نہ کردیا جائے جو اس کی روحانی ترقی اور تزکیہ میں مددگار ہو۔

---

(۱) ناگوار

اس معاملہ کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی روحانی ترقی اور تزکیہ کا راستہ اجتماعی زندگی ہی کے اندر رکھا ہے نہ کہ اس کے باہر۔ اسے اکیلا نہیں رکھا گیا بلکہ دوسرے انسانوں کے ساتھ بے شمار تعلقات اور رشتوں ناتوں میں باندھ دیا گیا ہے۔ اس کا امتحان ہی اس پر منحصر ہے کہ وہ ان تعلقات میں بندھ کر، مختلف ذمہ داریوں کے بوجھ سے لد کر، خوف اور لالچ، محبت اور غضب، امیدوں اور مایوسیوں کے اس ماحول میں رہتے ہوئے کس طرح اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ حقوق اور فرائض ادا کرتا ہے؟

اگر فرد کو اجتماعی زندگی سے الگ کر دیا جائے تو نیکی کا جو تصور اسلام پیش کرتا ہے وہ ہر معنیٰ سے خالی ہو جاتا ہے۔ جس شخص نے اجتماعی تعلقات کے جتنے کم شعبوں میں ذمہ داریاں ادا کیں اس نے گویا اتنے ہی کم پرچوں میں امتحان دیا اور اپنی شخصیت کو اتنے ہی پہلوؤں میں تکمیل کے مواقع سے محروم کر لیا اور زیادہ تر پرچے خالی بھیج دیے جن پر وہ سرے سے کوئی نمبر پانے کا اہل ہی نہیں ہے۔

مزید براں اگر انسانی اجتماعیت کی باگ ڈور اہلِ خیر کے ہاتھ میں نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے بیشتر احکام سرے سے تعمیل کے بغیر رہ جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں امر بالمعروف کی جگہ امر بالمنکر اور نہی عن المنکر کی بجائے نہی عن المعروف ہو رہا ہوگا۔ کسی شخص کا ان حالات میں یہ توقع رکھنا کہ وہ تنہائی کے نوافل یا مراقبوں، یا نیکی و تقویٰ کے چند مظاہر یا ان احکام کی تبلیغ سے جن سے کفار کے مفادات پر زد نہ پڑتی ہو، اپنا تزکیہ کر سکے گا، محض خام خیالی ہے۔ ان حالات میں تزکیہ کا ایک ہی راستہ ہے کہ سعی و جدوجہد کی ساری قوتیں اس مقصد میں صرف کر دی جائیں کہ اہل خیر اس بات کی جدوجہد کریں کہ زمین میں اقتدار اللہ کے باغیوں کے ہاتھ میں نہ رہے اور اللہ تعالیٰ کے دین کو نافذ کرنے کی جدوجہد کریں تاکہ زمین فساد سے پاک ہو کر خیر و صلاح سے بھر جائے اور ہر ہر فرد اپنا تزکیہ باآسانی کر سکے۔

دراصل اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ نوعِ انسانی کا ہر ہر فرد انفرادی حیثیت میں اللہ تعالیٰ

کے سامنے جوابدہ ہے۔ لٰہذا ہر فرد کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کی تیاری کرنی چاہئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی جوابدہی بہت بڑی حد تک اجتماعی حقوق وفرائض اور ذمہ داریوں سے متعلق ہے۔ چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک اپنی حدِ استطاعت تک فساد کو مٹانے اور خیر کو پھیلانے کا فریضہ سرانجام نہ دے۔

اسلام کے پیشِ نظر تزکیہ نفس کا مقصد

اب اگر ہم اسلامی تزکیۂ نفس کو سمجھنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اس نصب العین کو سمجھنا چاہیے جو انسان سازی میں اللہ تعالیٰ کے پیشِ نظر ہے۔ آیئے اس نصب العین کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝﴾

(سورۃ اَلْبَيِّنَة 5)

"ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں اپنی اطاعت کو اس کے لئے خالص کر کے، پوری طرح یکسو ہو کر اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی دین قیم ہے۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بندگی کا معیارِ مطلوب یہ بیان فرماتے ہیں:

((اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ)) (صحیح بخاری)

"احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہا رہے ہو اور اگر تمہیں یہ کیفیت نصیب نہیں اور اسے نہیں دیکھ رہے تو (کم از کم یہ یقین ہی پیدا کر لو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔"

پھر قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝١٠٤﴾

(سورۃ آلِ عمران: 104)

"اور (اے مسلمانوں!) تم میں سے ایک جماعت لازماً ایسی ہونی چاہئے جو خیر کی طرف بلائے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام ایسے انسان تیار کرنا چاہتا ہے جو فرداً فرداً اپنی گردن سے تمام بندگیوں کے حلقے اتار کر کسی مجبوری کے بغیر خالصتاً اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حلقہ اپنی رضا و رغبت (۱) سے پہن لے اور پھر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس غلام کی طرح انتہائی وفاداری، محبت، خوف و خشیت (۲) اور حسنِ کارکردگی کے ساتھ کرے جو اپنے آقا کو سامنے کھڑا دیکھ کر، محسوس کر کے کہ آقا کی نگاہ اس پر ہے، بہتر سے بہتر انداز میں کام کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ڈرتا رہتا ہے کہ اس کی کوئی بات یا عمل آقا کے غضب کا باعث نہ ہو۔

پھر اس قسم کے افراد کو جوڑ کر اسلام ایک ایسا منظم گروہ وجود میں لانا چاہتا ہے۔ جو دنیا کو خیر کی طرف بلانے، نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لئے اٹھے۔ جس کی ساری جدوجہد اور کوشش صرف اس لئے ہو کہ دنیا سے فساد، جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، مٹ جائے اور خیر و صلاح، جو اللہ کو محبوب ہے، اس کی جگہ قائم ہو جائے۔ جو خیر کا عَلَم ہاتھ میں لے کر دنیا بھر سے صرف اللہ کی خاطر لڑ جانے تک تیار ہو اور پوری دنیا سے اس کی کشاکش صرف اسی ایک بات پر ہو کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ سربلند ہو جائے اور اس کے آگے سارے کلمے دب (۳) کر رہ جائیں۔

---

(۱) رضامندی (۲) ڈر (۳) ماتحت ہو جانا

سلوکِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ انسانی شخصیت کی تربیت وتزکیہ اس لیے مقصود ہے کہ انسان بہترین طریقہ سے اپنی تمام انفرادی واجتماعی ذمہ داریاں ادا کرنے کے قابل ہو جائے تاکہ آخرت میں اس کی کامیابی یقینی ہو جائے۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے ہاں اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے طریقہ کار کے طور پر کتاب وسنت کی اہم اصطلاح "احسان" کو چھوڑ کر "تصوف" ہی کی اصطلاح اختیار کر لی گئی اور ہمیں احسان کے صرف ایک ہی معنیٰ یاد رہ گئے کہ کسی سے بھلائی کرنا یا کسی سے حُسنِ سلوک کرنا۔ جبکہ احسان اپنے وسیع تر مفہوم میں دین کے ہمہ گیر(۱) تصور پر حاوی ہے۔ جس میں عبادتِ رب، شہادت علی الناس اور اقامتِ دین بھی شامل ہے۔ اور یہ تمام کام اپنے آپ کو پوری طرح کھپا کر، دل لگا کر، پوری توجہ، اپنی تمام صلاحیتوں اور توانائیوں کے بروئے کار(۲) لاتے ہوئے بہتر سے بہتر اور عمدہ انداز میں کرنا ہی دراصل "احسان" ہے نیز "احسان" میں یہ بھی شامل ہے کہ ان تمام کاموں یا بالفاظ دیگر فرائض کو نہ صرف ظاہری طور پر بلکہ باطنی طور پر بھی پورے ذوق وشوق اور محبت کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے ادا کیا جائے۔

اس احسان کو حاصل کرنے کے لیے جو طریقہ کار کتاب وسنت سے ماخوذ(۳) ہے یعنی منصوص بھی ہے اور مسنون بھی۔ وہی طریقہ دراصل "طریقِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام" ہے اور یہی طریقہ عقل ومنطق(۴) کے بھی قریب ہے اور یہی طریقہ "سلوکِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام" کہلاتا ہے۔

اس طریقہ تربیت سے وجود میں آنے والی جماعت کی سیرت اور زندگیوں کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں کمال(۵) پر تھے،

---

(۱) تمام پہلوؤں پر مشتمل (۲) استعمال میں لانا (۳) حاصل کردہ (۴) عقلی دلائل سے ثابت کرنا (۵) عروج

وہ جس طرح اعمالِ ظاہرہ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، خیرات، دعوت وتبلیغ، جہاد و قتال فی سبیل اللہ، شہادت علی الناس اور غلبہ واقامتِ دین کی جد وجہد کے تقاضوں کو بھرپور طریقے سے ادا کرنے والے تھے، اسی طرح وہ اخلاقیات کے فضائل ومحاسن (۱)، مثلاً صدق، اخلاص، تواضع، قناعت، توکل، شکر، زہد وتقویٰ اور صبر و تحمل کے پیکر (۲) بھی تھے اور بعد ازاں پوری امت مسلمہ بلکہ تمام نوعِ انسانی کے لیے نمونہ بھی ہیں۔ اُمت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ سے لے کر موجودہ زمانے کے علماء وصالحین تک جس کو بھی جو درجہ یا مقام حاصل ہوا، یہ صرف اسی نظامِ عمل کی مکمل پابندی سے ہوا۔ یہی وجہ ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں سیرت کی کتابوں میں وہ فقرہ درج ہے جو ایرانی جاسوسوں نے کسریٰ کے دربار میں آ کر کہا تھا اور وہ سنہرے حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔ اس فقرہ میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کے دونوں رُخ نمایاں نظر آتے ہیں۔ انہوں نے کہا تھا "هُمْ رُهْبَانٌ بِاللَّيْلِ وَفُرْسَانٌ بِالنَّهَارِ"۔ "وہ رات کے راہب (۳) اور دن کے شہسوار (۴) ہیں" مگر ایک عرصہ دراز سے مسلمانوں کی دین اور علوم دینیہ سے عام غفلت کے نتیجہ میں ایک طرف تو صرف اعمال ظاہرہ میں سے کچھ کی پابندی ہی کو دین کے جملہ فرائض کی ادائیگی سمجھ لیا گیا تو دوسری طرف مندرجہ بالا اعمالِ باطنہ سے بے اعتنائی (۵) اور بندۂ مومن کو گھن کی طرح چاٹ جانے والے مہلک امراض سے نجات حاصل کرنے کی فکر ہی دلوں سے محو (۶) ہوتی گئی۔

شمائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ بات آئی ہے کہ "فَصَارَ لَهُمْ اَبًا" آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے لیے والد کی مانند تھے۔ "لَا يَغْفُلُ مَخَافَةَ اَنْ يَّغْفُلُوْا اَوْ يَمِيْلُوْا" (ساتھیوں کی طرف سے بے خبر نہ رہتے تھے کہ مبادا وہ دین سے غافل ہو جائیں یا سستی اور آرام طلبی کی طرف مائل ہو جائیں) "لَا يُقَصِّرُ عَنِ الْحَقِّ وَلَا يُجَاوِزُهٗ" (حق بات میں نہ کبھی

(۱) خوبیاں (۲) مجسمہ (۳) ذکر وفکر میں مصروف (۴) بڑا سوار (۵) بے توجہی (۶) گم

کوتاہی فرماتے تھے، نہ حد سے تجاوز فرماتے تھے) مزید فرمایا: "وَيَسْأَلُ النَّاسَ عَمَّا فِي النَّاسِ وَيُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَيُقَوِّيهِ وَيُقَبِّحُ الْقَبِيحَ وَيُوَهِّيهِ" اور آپ ﷺ لوگوں کے درمیان واقع ہونے والی باتوں کے بارے میں دریافت فرماتے تھے، اچھائی کی تحسین فرما کر اس کو تقویت پہنچاتے اور بری بات کی مذمت فرما کر اس کو زائل فرماتے۔ "اَلَّذِيْنَ يَلُوْنَهُ مِنَ النَّاسِ خِيَارُهُمْ" آپ ﷺ کے نزدیک رہنے والے حضرات (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) لوگوں میں سے بہترین افراد تھے۔ گویا یہ عملِ تربیت ونگرانی مسلسل جاری رہتا تھا۔ (راوی حسن بن علی رضی اللہ عنہ ترمذی)

(بحوالہ شمائل نبوی ﷺ: تنظیم اسلامی)

اس تربیت کے تقاضے پورے کرنے کے لیے ایک مربّی کی ضرورت ناگزیر ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت رسول اللہ ﷺ نے کی تھی۔ ہم رفقائے تنظیمِ اسلامی نے امیرِ تنظیمِ اسلامی سے بیعت سمع وطاعت فی المعروف کی ہوئی ہے۔ لہٰذا ہمارے مربّی امیرِ تنظیمِ اسلامی ہیں اور ہماری تربیت کی نگرانی کی ذمہ داری بھی ان پر عائد ہوتی ہے۔ مگر چونکہ وہ خود فرداً فرداً ہر رفیق کی تربیت کے تقاضے پورے نہیں کر سکتے، لہٰذا امیرِ محترم سے لے کر نقیب تک تمام امراء اپنے اپنے مامورین کے لیے مربّی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی دی گئی توفیق سے ممکنہ حد تک اس ذمہ داری کو انجام دینا ان کے ذمہ ہے۔

یہ بات اپنی جگہ مبنی برحق ہے کہ ایک مسلمان کا اپنے سنن ونوافل خصوصاً تہجد اور اپنی دیگر نفلی عبادات اور ذکر واذکار کا ظاہر کرنا قلب پر ایمانی حوالے سے نہ صرف منفی اثرات مرتب کرتا ہے بلکہ اگر اس میں ریاء آجائے تو اُخروی خسارے کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ البتہ یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ یہ اظہار اگر انسان ازخود کر رہا ہو اور اس میں کسی بھی درجہ میں ریاء کا پہلو بھی شامل ہو جائے تب تو واقعتاً اسے پوشیدہ رکھنا بہتر ہوگا، لیکن جب یہ اظہار کسی مربّی، مزکّی یا استاد کی جانب سے بغرض رہنمائی ونگرانی یا اصلاح

---

(۱) پسندیدہ

مطلوب ہو تو معاملہ مختلف ہو جاتا ہے جسے سلف صالحین نے نہ صرف جائز بلکہ مستحسن عمل قرار دیا ہے۔ مثلاً ایک استاد یا مربی تربیت کے لیے اپنے شاگردوں کو ساتھ لے کر تہجد کی نماز ادا کر سکتا ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صلح حدیبیہ کے موقع پر جو کلام سرزد ہو گیا تھا۔ اس کے لیے وہ نہ صرف نفل عبادت فرمایا کرتے تھے بلکہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کا اظہار بھی فرمایا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما لوگوں کی تربیت کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تہجد پڑھنے کا اپنے شاگردوں کے سامنے ذکر کیا کرتے تھے۔ دوسری طرف ایک مربی کو اپنے زیرِ تربیت افراد کے احوال سے باخبر رہنے کی بہت ضرورت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعض مرتبہ رات کو اُٹھ کر ساتھیوں کی نماز کا جائزہ لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت سالم رضی اللہ عنہ کی قیامُ اللّیل میں تلاوت سنی اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ ایک مرتبہ تہجد کی نماز میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تلاوت کو سنا اور ان کی اصلاح فرمائی۔ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محفل میں بعض اعمال مثلاً نمازِ جنازہ، عیادتِ مریض[1] اور روزے کے بارے میں سوال کیا کہ تم میں سے کس کس نے یہ عمل کیے ہیں؟

ان مثالوں سے معلوم ہوا کہ ایک مربی یا استاد کا اپنے شاگردوں کی نگرانی کرنا اور نفل عبادات کے بارے میں پوچھنا نہ صرف جائز ہے بلکہ تربیت کے نقطۂ نظر سے بہت ضروری اور مفید بھی ہے پس استاد کے سامنے شاگرد کا اپنے نوافل کا ظاہر کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ شاگرد کو استاد کے سامنے ریا کا اندیشہ نہیں ہوتا کیونکہ بالعموم مربی استاد عبادت و معمولات میں شاگرد سے آگے ہی ہوتا ہے۔ دوسری طرف استاد بھی اپنے شاگرد کی کارکردگی دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور اس خوشی سے استاد کی توجہ میں اضافہ ہوتا ہے استاد کی توجہ تربیت کے میدان میں بہت اہم ہوتی ہے۔ تیسری بات جو بہت زیادہ اہم ہے کہ استاد یا مربی (یاد رہے کہ تنظیمِ اسلامی میں نقیب یا امیر مربی کا رول بھی ادا کرتا ہے) اپنے ساتھیوں کی تربیت کے حوالے سے آگاہ رہتا ہے کہ وہ اب کس مرحلے میں

---

(۱) مریض کی بیمار پرسی

ہیں اور آئندہ اب تربیت کے حوالہ سے ہمیں کون کون سے اقدامات اٹھانے ہیں نیز اب ہم اقامتِ دین کی جدوجہد کے حوالہ سے کس مرحلہ میں ہیں؟

چونکہ کوئی بھی انسان کامل نہیں ہے لہٰذا بہتری کی گنجائش اور تربیت کی ضرورت ایک مسلسل عمل ہے۔ حدیثِ نبوی ﷺ کے مطابق ایک مومن دوسرے مومن کے لیے آئینہ ہے، لہٰذا جب امراء ونقباء "كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ" (صحیح بخاری) کی مسؤلیت و ذمہ داری کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے زیریں نظم کے کسی رفیق کی کمی یا کوتاہی پر اُسے توجہ دلا رہے ہوں گے تو یہ ایک فطری عمل ہے کہ اگر وہی کمی یا کوتاہی خود ان کی ذات میں بھی پائی جاتی ہو تو فوراً پہلے انہیں اپنی ذاتی اصلاح کا خیال آئے گا، لہٰذا دوسروں کی اصلاح کرنے کا عمل خود نقیب، امیر اور مربّی کی شخصیت میں بھی مزید بہتری اور نکھار کا باعث بنے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

نبی اکرم ﷺ کے انقلابی مشن کی مناسبت سے طریقِ تربیت کے بیان کے موقع پر بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ ان اشعار کو پڑھا کرتے تھے:-

بقول شاعر ع

با نشۂ درویشی در ساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن

"یعنی ایک درویش کی مانند اپنی تربیت اور تزکیہ میں لگے رہو اور جب تم پختہ ہو جاؤ تو اپنے آپ کو جمشید (ایران کا ایک بادشاہ) کی سلطنت پر دے مارو۔"

تو خاک میں مل اور آگ میں جل جب خشت بنے تب کام چلے
ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر
خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
اور پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو

انسانی عمل کے دو محرکات

سلوکِ محمدی ﷺ یا تزکیہ نفس کا اصل مقصود ہے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا تا کہ آخرت میں کامیابی حاصل ہو جائے اور ہم عذابِ الیم سے نجات پا جائیں۔ یہ تبھی ممکن ہو گا جب ہم روئے ارضی پر اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گزاریں گے۔ ایمان کی حالت میں نیک اعمال کریں گے اور برے اعمال سے بچیں گے۔ نیک عمل کے لیے بھی دو چیزوں کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔ ایک پختہ عزم، نیت اور ارادہ اور دوسرے فرائض کا صحیح صحیح شعور اور تصور۔ چونکہ ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں اور آخرت کے آنے کا ہمیں پختہ یقین ہے لہٰذا ہمارا پختہ عزم اور ارادہ ہونا چاہیے کہ ہمیں اللہ اور اس کے رسول کے جس حکم کا بھی علم ہو گا ہم اس پر چون و چرا کیے بغیر فوراً مستعدی کے ساتھ عمل کرنے کے لیے کمر بستہ ہو جائیں گے۔ پھر ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ ہمارے ذمہ دین کے حقیقی فرائض کیا کیا ہیں۔ اگر فرائض کا تصور محدود یا ناقص ہوا تو جو احکام ہمیں معلوم ہوں گے ان پر عمل کر لیں گے۔ لیکن جن فرائض کا ہمیں علم ہی نہیں ہو گا ان پر ارادہ کے باوجود عمل نہیں کر سکیں گے۔

دینی فرائض کا جامع تصور

ہمارے ذمہ تین بنیادی فرائض ہیں۔ سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ ہم خود دین پر عمل پیرا ہوں، اس پر کاربند ہوں۔ دوسرا فریضہ یہ کہ ہم اس دین کو پھیلائیں، دوسروں کو اس کی دعوت دیں۔ تیسرا یہ کہ ہم دین کو قائم کرنے کی کوشش اور جدوجہد کریں۔

پہلا فریضہ: خود دین پر کاربند ہونا یا "عبادتِ رب"

آیئے پہلے فریضہ کو ہم چار قرآنی اصطلاحات کے ذریعہ سمجھتے ہیں۔

1۔ اسلام: پہلے فریضہ کے لیے سب سے پہلی اصطلاح "اسلام" ہے اسلام کا مطلب

ہے سرِ تسلیم خم کر دینا۔ جو حکم بھی ملے اسے بلا چون و چرا قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا۔ سورۃ البقرہ آیت 208 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾

"اے ایمان والو! پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔"

یعنی اسلام میں داخلہ جزوی طور پر نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کچھ احکام پر تو سرِ تسلیم خم ہے اور کچھ احکام پر عمل کرنے سے گریز ہے۔ یہاں تو اصول یہ ہے کہ ماننا ہے تو پورا مانو ورنہ مت مانو۔ یہاں ہم دو کشتیوں کے سوار نہیں بن سکتے۔

2۔**اطاعت:** یہ اسی طرزِ عمل کے بیان کے لیے دوسری اصطلاح ہے۔ اطاعت کا مطلب ہے دلی آمادگی کے ساتھ فرمانبرداری قبول کر لینا۔ سورۃ التغابن آیت 12 میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾

"اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور اگر تم روگردانی کرتے ہو تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ واضح طور پر (تعلیماتِ ربّانی) پہنچانے کے اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔"

یاد رہے کہ یہ اطاعت بھی ہمہ تن اور ہر پہلو سے خوشدلی کے جذبہ کے ساتھ درکار ہے۔

3۔**تقویٰ:** اسلام اور اطاعت مثبت رویے اور طرزِ عمل کے مظاہر ہیں۔ ان کو منفی اسلوب سے بیان کیا جائے گا تو وہ "تقویٰ" ہوگا۔ یعنی تقویٰ کا مفہوم ہوگا "اللہ کے احکام کو توڑنے سے بچنا اور اس کی نافرمانی سے پرہیز کرنا"۔

سورۃ آلِ عمران آیت نمبر 102 میں فرمایا گیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾

"اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے اور تم کو ہرگز موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔"

4۔**عبادت:** یہ جامع ترین اصطلاح ہے۔عبادت کا اصطلاحی مفہوم ہے کسی کی محبت سے سرشار ہو کر ہمہ تن، ہمہ وجوہ اور ہمہ وقت اس کی بندگی میں اپنے آپ کو دے دینا۔سورۃ الذاریات آیت نمبر 56 میں الفاظ وارد ہوئے ہیں:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾

"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔"

شیخ سعدیؒ نے بہت خوبصورتی سے اس مفہوم کو شعر کے پیرائے میں بیان کیا ہے۔

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

پہلے فریضہ کے ضمن میں مزید چند باتیں قابل توجہ ہیں۔

(۱) یہ بات ذہن نشین رہے کہ جزوی اطاعت قابلِ قبول نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا مطالبہ ہے کہ زندگی کے ہر ہر شعبے میں صرف اسی کی کلی اطاعت کی جائے۔

(۲) دوسری اہم بات یہ ہے کہ یہ اطاعت محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر کی جائے یہ اطاعت مجبوری کی نہ ہو۔مارے بندھے کی بے دلی کے ساتھ نہ ہو۔

(۳) تیسرے یہ کہ عبادت میں خشوع وخضوع اور عاجزی اور انکساری بھی ہونی چاہیے۔

(۴) اور سب سے اہم یہ کہ اخلاص نیت ہونا چاہیے۔جو بھی نیک عمل ہو وہ صرف اور صرف اللہ کو راضی کرنے کے لیے کیا گیا ہو۔اس میں ریاکاری یا دکھاوے کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہیے۔

ارکانِ اسلام اور ان کی اہمیت:

عبادت کا یہ انداز اور یہ تشریح جو اوپر کی گئی ہے۔ اس پر پورا اترنا انتہائی مشکل کام ہے۔ اسی لیے علامہ اقبالؒ نے کہا تھا۔

چو می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

یعنی" جب میں یہ کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو میں لرز اٹھتا ہوں۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ" لا الٰہ الا اللہ" کہنے سے کون کون سے تقاضے اور کون کون سے مطالبات لازم آجاتے ہیں۔"

اور ان تقاضوں اور مطالبات کو پورا کرنا کتنا مشکل ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ بہت رحیم اور کریم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان مشکلات کو آسان کرنے کے لیے چار عبادات عطا فرمادی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی صحیح بخاری میں حدیث مبارکہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((بُنِيَ الإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ : شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَالْحَجِّ الْبَيْتِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ))

" اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندہ اور رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور ماہ رمضان کے روزے رکھنا۔"

ہر شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کی ادائیگی سے اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ عملی ستون چار ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، حج اور رمضان کے روزے۔ ان چاروں ارکانِ اسلام کو عموماً" عبادت" کہہ دیا جاتا ہے۔ اگرچہ پورے قرآن مجید میں ان کے لیے لفظ" عبادت" کہیں نہیں آیا۔ عبادت کا اصل مفہوم اوپر بیان ہو چکا ہے۔ یہ تمام

ارکان اسلام اس فریضۂ عبادتِ رب کے لیے انسان کو تیار کرتے ہیں اور اس کے راستے کی رکاوٹوں کو دور کرنے میں اس کی مدد کرتے ہیں۔ نماز کا نظام ہمیں اس لیے عطا ہوا کہ دن میں پانچ مرتبہ اپنی مصروفیات چھوڑ کر اللہ کے روبرو کھڑے ہوں اور اپنے قول وقرار "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ " "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں"۔ کو تازہ کریں۔ کہیں مصروفیات میں گم ہو کر ہم اپنے پروردگار کو نہ بھول جائیں۔ زکوٰۃ کی عبادت ہمیں اس لیے عطا کی گئی تاکہ دل سے مال کی محبت نکل جائے اور اللہ کی محبت کے لیے دل میں جگہ بنے۔ روزہ اس لیے فرض کیا گیا تاکہ ہم پرہیزگار بن جائیں "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" اور ہمیں اپنے نفس کو قابو میں کرنا آجائے جبکہ حج میں یہ تمام برکات جمع کر دی گئیں ہیں۔

دوسرا فریضہ: شہادت علی الناس

ہماری دوسری بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم جس دین پر خود عمل پیرا ہیں دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں۔ اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے بھی ہمیں چار اصطلاحات کو خوب اچھی طرح سمجھ کر ذہن نشین کر لینا چاہیے۔

(1) **تبلیغ:** یعنی دوسروں کو پہنچانا۔ حضور اکرم ﷺ کو سورۃ المائدہ آیت نمبر 67 میں حکم دیا گیا۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾

"اے نبی اکرم ﷺ! پہنچا دیجیئے جو کچھ نازل ہوا ہے آپ ﷺ پر آپ ﷺ کے رب کی طرف سے۔"

پھر رسول ﷺ نے بھی ہمیں حکم دیا ہے:

((بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً))

"پہنچاؤ میری جانب سے خواہ ایک ہی آیت۔" (صحیح بخاری)

(2) **دعوت:** یعنی لوگوں کو اسلام کی طرف بلانا۔

سورۃ النحل آیت نمبر 125 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾

"پکارو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت کے ساتھ اور موعظۂ حسنہ کے ساتھ اور مجادلہ کرو اِن (بلا وجہ اور لایعنی بحث کرنے والوں سے) سے اس طریقہ پر جو بہت عمدہ ہو۔"

(3) **امر بالمعروف ونہی عن المنکر:** یعنی نیکی کا پرچار، نیکی کی تلقین، نیکی کا حکم دینا اور بدی و برائی سے لوگوں کو روکنا، برائی کی اشاعت کے آڑے آنا۔ اور قوت میسر آجائے تو بزورطاقت بدی و برائی کو روکنا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم، میں روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ رَّأٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ))

"تم میں سے کوئی بھی کسی منکر کو دیکھے اس کا فرض ہے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے (یعنی طاقت سے) بدلے، اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے (یعنی تلقین و نصیحت سے اس برائی کو روکے) اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل سے (اس کے خلاف نفرت کا اظہار کرے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

یعنی کم از کم اس برائی کے خلاف دل میں کڑھن تو موجود ہو اور اگر یہ کیفیت بھی نہ ہو تو اس کیفیت کے لیے ایک دوسری حدیث صحیح مسلم میں وارد ہوئی ہے جس کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس میں درج ذیل اضافی الفاظ موجود ہیں:

((وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْإِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ))

"اور اس کے بعد تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان موجود نہیں۔"

(4) شہادت علی الناس: یہ اصطلاح جامع ترین ہے۔اس کا مفہوم ہے کہ لوگوں پر حجت قائم کردینا تاکہ قیامت کے دن عدالتِ خداوندی میں ہم گواہی دے سکیں کہ اے اللہ! ہم نے تیرا دین پہنچا کر اپنی ذمہ داری ادا کردی تھی۔اب یہ اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہیں۔سورۃ النساء کی آیت نمبر 41 میں اللہ تعالیٰ نے اس گواہی کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾

"پس اس دن کیا حال ہوگا جس دن ہم ہر امت میں سے (اس پر) ایک گواہ کھڑا کریں گے۔اور (اے نبی ﷺ!) ہم آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے ان کے خلاف۔"

سورۃ البقرۃ آیت نمبر 143 میں اللہ تعالیٰ نے شہادت علی الناس کی ذمہ داری اب اُمتِ وسط یعنی ہمارے ذمہ لگادی ہے۔

﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾

"اور اس طرح ہم نے تمہیں ایک درمیانی بہترین امت بنایا تاکہ تم گواہ بن جاؤ پوری نوع انسانی پر اور رسول گواہ بن جائیں تم پر۔"

یعنی رسول اللہ ﷺ کی اس دنیا سے رحلت فرمانے کے بعد اب یہ ذمہ داری ہمارے کاندھوں پر آگئی ہے۔اب باقی پوری بنی نوع انسانی تک اس دین کو پہنچانے کے ہم ذمہ دار ہیں۔

تیسرا فریضہ: دین کو قائم کرنا

اسلام در حقیقت ایک مکمل نظامِ حیات ہے۔

﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (آلِ عمران آیت نمبر 19)

"بے شک دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔"

اس دین کو بالفعل قائم ہونا چاہیئے۔ اس تیسری ذمہ داری کے لیے بھی قرآن حکیم میں ہمیں درج ذیل چار اصطلاحات ملتی ہیں۔

(1) **تکبیرِ رب:** یہ اصطلاح سورۃ المدثر آیت نمبر 3 میں وارد[1] ہوئی ہے۔ وہاں فرمایا گیا "وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ"

"اور اپنے رب کی بڑائی کا بول بالا کرو" تکبیرِ رب کا مطلب ہے کہ اللہ کی بڑائی کو منواؤ۔ اسے تسلیم کراؤ۔ یہ دنیا والے اس کی بڑائی کو عملاً تسلیم نہیں کر رہے۔ تشریعی معاملات میں اس کے حکم کو نافذ کرو۔ حضور اکرم ﷺ نے تئیس سال میں جزیرہ نمائے عرب میں وہ نظام قائم فرمادیا جس میں حاکمیتِ مطلقہ کا مالک صرف اللہ تعالیٰ کو تسلیم کیا گیا تھا۔

(2) **اقامت دین:** یہ اصطلاح سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر 13 میں وارد ہوئی ہے۔

اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ

"دین کو قائم کرو اور اس بارے میں تفرقہ میں نہ پڑو۔"

یعنی قرآن حکیم اگر واقعی مکمل ضابطۂ حیات ہے جیسا کہ فی الواقع[2] وہ ہے تو اس کو نافذ کیا جانا چاہیے، اس دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کرنی چاہیئے، اور امت کو اس معاملہ میں کسی اختلاف کا شکار نہیں ہونا چاہیئے۔

(3) **يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ:** پہلی دو اصطلاحات مکی دور کی تھیں یہ تیسری اصطلاح مدنی دَور کی ہے اور دو سورتوں (البقرۃ اور الانفال) میں آئی ہیں۔

سورۃ البقرۃ آیت نمبر 193 میں فرمایا

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ"

"اور جنگ کرو ان (مشرکین) سے یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین

---

(۱) آنا (۲) حقیقت میں

اللہ ہی کے لیے ہو جائے۔"

سورۃ الانفال آیت نمبر 39 میں فرمایا گیا:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ"

"اور (اے مسلمانو!) جنگ جاری رکھوان (مشرکین) سے جب تک فتنہ ختم نہ ہو جائے اور دین کل کا کل اللہ ہی کے لیے نہ ہو جائے۔"

البتہ حالات میں تبدیلی کی وجہ سے اب ہم قتال کی جگہ متبادل[1] طریقے مثلاً پر امن مظاہرے یا گھیراؤ کرنا وغیرہ اختیار کر سکتے ہیں۔ اور چیلنج کر سکتے ہیں کہ فلاں فلاں کام جو اسلام کی رُو سے منکر ہیں ہم نہیں ہونے دیں گے۔ یہ کام اگر ہوگا تو ہماری لاشوں پر سے گزر کر ہوگا۔ جب تک یہ مرحلہ نہیں آجاتا صرف زبان اور قلم کے ذریعے اس کا اظہار کیا جائے گا کہ یہ کام اسلام کے خلاف ہیں ان کو چھوڑ دو اور ان کی جگہ معروفات کو رائج کرو۔

(4) اظہارِ دینِ حق: یہ اصطلاح قرآن حکیم میں تین مرتبہ سورۃ الصف آیت نمبر 9، سورۃ التوبہ آیت نمبر 33 اور سورۃ الفتح آیت نمبر 28 میں وارد ہوئی ہے۔ فرمایا گیا:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

"وہی ہے (اللہ) جس نے اپنے رسول ﷺ کو الہدیٰ اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ وہ غالب کر دیں اس کو تمام نظام ہائے اطاعت پر۔"

خلاصہ کلام یہ کہ پہلا فریضہ ہے دین پر خود عمل پیرا اور کاربند ہونا۔ دوسرا فریضہ ہے دین کو پھیلانا اور تیسرا فریضہ ہے کہ اس دین کو قائم کرنے کے لئے عملاً جدوجہد بھی کی جائے۔

درج بالا تمام فرائض کی ادائیگی کے لیے جہاد لازم ہے۔ جہاد کے بغیر ان فرائض

---

(1) بدلے میں آنے والا

کی ادائیگی ممکن نہیں۔

جہاد

جہاد بھی ہمارے دین کی ایک اہم اصطلاح ہے۔قرآن مجید میں مدنی سورتوں میں بھی جہاد کا حکم ہے اور مکی سورتوں میں بھی۔آیئے آگے بڑھنے سے پہلے ذرا جہاد کو بھی سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جہاد کا لفظ جہد سے بنا ہے۔یعنی کوشش کرنا۔جہاد کا مفہوم ہوگا:" باطل کے ساتھ کشمکش کرنا، کشاکش ہونا۔"

عبادت کے ضمن میں ہم نے عرض کیا تھا کہ جب تک ہم اپنے ذمہ اپنے تمام فرائض پوری تندہی، جاں فشانی اور جانثاری کے جذبہ سے ادا نہیں کریں گے تو عبادت کا حق ادا نہ ہوگا۔فرائض کو ادا کرنے کے لیے کوشش اور کشاکش لازمی ہے۔کوشش اور محنت کے بغیر منزلیں ئسر نہیں ہوسکتیں۔ بلکہ محض کوشش اور محنت سے بھی کام نہیں بنتا۔ کیونکہ معاشرہ میں خلا تو ہے نہیں۔اگر ہم اپنے نظریات کے مطابق کوشش کررہے ہیں تو ہمارے مخالف اور لوگ، اور قومیں بھی تو ہیں جو اپنے اپنے نظریات کے مطابق کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔لہٰذا کوشش تو کوشش سے ٹکرائے گی۔جب باہم کوششیں ٹکراتی ہیں تو اسی کا نام کشاکش یا کشمکش ہے۔اور اسی کشاکش کے لیے دینی اصطلاح "جہاد" ہے۔ اس لفظ "جہاد" کو بھی تین بنیادی تقاضوں کے حوالے سے سمجھنا ہوگا۔

(ا) جہاد مع النفس

پہلی سطح یعنی عبادت کی سطح پر جہاد اپنے نفس سے ہوگا۔اپنے نفس کو اللہ کا مطیع (فرماں بردار) بنانے لیے کشاکش کرنی ہوگی۔کیونکہ نفس تو برائی پر آمادہ کرتا ہی ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی

﴿ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌۢ بِالسُّوٓءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيٓ ﴾

(سورۃ یوسف:53)

"یقیناً (انسان کا) نفس تو برائی ہی کا حکم دیتا ہے۔سوائے اُس کے جس پر میرا ربّ رحم فرمائے۔"

نفس تو خواہشات کا سرکش گھوڑا ہے۔ ہمیں اسے لگام دینی ہوگی۔ صبح کی اذان ہوئی ہے ہم نے اذان سن بھی لی ہے۔ نفس کہہ رہا ہے کہ ابھی جماعت میں بہت وقت ہے۔تھوڑی دیر اور سولو، سردی کا موسم ہے۔ لحاف کو تھوڑا اور اوپر سرکا لیا کہ ابھی اٹھتے ہیں۔اب اگر نفس سے کشمکش کریں گے، اسے زیر کریں گے تو نماز کے لیے اٹھ سکیں گے ورنہ نہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا:

((اَیُّ الْجِھَادِ اَفْضَلُ؟ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ))

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہترین جہاد کون سا ہے؟"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((اَنْ تُجَاھِدَ نَفْسَکَ وَھَوَاکَ فِیْ ذَاتِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ))

"یہ کہ تم اپنے نفس اور اپنی خواہشات کو اللہ کا مطیع بنانے کے لیے ان سے جہاد کرو۔" (حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء)

(۲) جہاد بالقرآن:

دینی فرائض کے دوسرے مرحلے یعنی تبلیغ ودعوت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور شہادت علی الناس کی سطح پر جہاد قرآن کے ذریعہ ہوگا۔ اگر ہم دین کی دعوت دے رہے ہیں تو دوسری طرف دہریت، مادہ پرستی اور فحاشی کو فروغ دینے والے بھی موجود ہیں۔ سودی کاروبار اور سودی سکیموں کی پرکشش ترغیبات دینے والے بھی میدان میں کام کر رہے ہیں۔ دعوت وتبلیغ کے لیے شرکی قوتوں کے خلاف بھی جہاد کرنا ہوگا۔ لیکن اس جہاد میں تلوار قرآن کی چلے گی۔ سورۃ الفرقان آیت نمبر 52 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا﴾

"(اے نبی ﷺ!) ان کفار کے ساتھ جہاد کیجئے اس (قرآن) کے ساتھ زبردست جہاد)

علامہ اقبال کہتے ہیں کہ نفس اور شیطان کے ساتھ کشمکش کرنے کے لیے یہی قرآن کی تلوار کام دے گی۔

کشتنِ ابلیس کارِ مشکل است
زانکہ او گم اندر اعماقِ دل است
خوشتر آں باشد مسلمانش کنی
کشتۂ شمشیرِ قرآنش کنی

"ابلیس کو ہلاک کرنا یہ مشکل کام ہے وہ اس لیے کہ شیطان انسان کے دل کی گہرائیوں میں روپوش ہو جاتا ہے لہٰذا بہتر ہوگا اسے مسلمان کرلو اور (اس کا طریقہ کار یہ ہوگا کہ) تم قرآن کی تلوار سے اسے گھائل کرو۔"

چنانچہ دعوت و تبلیغ کی سطح پر زبان و قلم، تمام ذرائع ابلاغ اور نشر و اشاعت کے تمام وسائل کے ذریعہ قرآن مجید کی دعوت کو پھیلایا جائے گا۔ تمام غلط قسم کے فکری اور نظریاتی مغالطوں کو قرآن مجید کے ذریعہ دور کرنا ہوگا ان کی نفی کرنی ہوگی اور اس کام کے لیے جان و مال کی تمام صلاحیتوں اور قوتوں کو کھپانا ہوگا۔

(۳) قتال فی سبیل اللہ

تیسری سطح یعنی اللہ کے دین کو بالفعل قائم و نافذ کرنے کے مرحلہ پر یہ جہاد بھی اپنی چوٹی پر پہنچ جاتا ہے۔ یہ جہاد کا تیسرا اور بلند ترین مرحلہ ہے جہاں لازماً باطل کے ساتھ پنجہ آزمائی کرنی پڑے گی۔ اس پنجہ آزمائی کی بھی تین مختلف سطحیں ہیں۔ پہلی سطح صبر و مصابرت اور استقامت کی ہے۔ دوسری سطح اقدام اور تیسری سطح مسلح تصادم کی ہے۔ اہلِ حق اگر کمزور ہوں تو جب تک طاقت حاصل نہ ہو جائے انہیں صبرِ محض کی روش پر عمل

کرنا ہوگا۔ وہ مار کھائیں گے لیکن ہاتھ نہیں اُٹھائیں گے۔ لیکن جب طاقت حاصل ہوجائے تو پھر اجازت ہے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیں۔ اس کشمکش کا آخری مرحلہ مسلح تصادم ہے یعنی قتال فی سبیل اللہ یہ جہاد کی چوٹی ہے۔ یہی چوٹی محبوبیتِ رب کا مقام ہے۔ سورۃ الصف آیت نمبر 4 میں ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ﴾

"بلاشبہ اللہ کو تو اپنے وہ بندے محبوب ہیں جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اس طرح صفیں باندھ کر کہ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔"

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ مَّاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ نَفْسَهُ بِهِ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِّنْ نِفَاقٍ)) (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

"جو شخص اس حالت میں مر گیا کہ نہ تو اس نے (اللہ کی راہ میں) جنگ کی اور نہ ہی اس کے دل میں اس کی تمنا پیدا ہوئی تو وہ ایک قسم کے نفاق پر مرا۔"

چنانچہ دل میں جہاد کی تمنا ضرور رکھنی چاہیے۔ اگر دل میں فی الواقع ایمان موجود ہے تو آرزو ضرور ہوگی کہ کوئی وقت آئے کہ خالصتاً اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے ہم اللہ کی راہ میں اپنی گردنیں کٹا کر سُرخرو ہو جائیں۔ البتہ حالات کی تبدیلی کی وجہ سے اب ہم قتال کی جگہ متبادل طریقہ مثلاً پرامن مظاہرے یا گھیراؤ کرنا وغیرہ اختیار کر سکتے ہیں۔ تفصیل کے لیے مطالعہ کریں کتابچہ "تنظیم اسلامی کی دعوت (ایڈیشن اپریل 2023ء)" "موجودہ حالات میں اسلامی انقلاب کے لیے اقدام کی صورت" (صفحات 45 تا 50)

احسان اسلام کے چار گوشے

احسان کے درجے تک پہنچنے کے لیے ہمیں اپنی انفرادی واجتماعی ذمہ داریاں بڑے احسن طریقے سے ادا کرنی ہوں گی۔ قرآن وسنت، سیرت نبوی ﷺ اور سیرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مطالعہ کرنے سے ان تمام ذمہ داریوں کو ہم بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ ہم نے بآسانی احسن طریقے سے سمجھنے کے لیے ان ذمہ داریوں کو چار گوشوں میں مجتمع کردیا ہے۔

جو درج ذیل ہیں:

۱۔ پابندیٔ شریعت کے لیے مسلسل جہاد۔

۲۔ نفس کی تربیت اور اس کے محاسبہ کے لیے جہاد۔

۳۔ دعوتِ دین کے لیے جہاد۔

۴۔ اقامتِ دین کے لیے مسلسل جہاد۔

آیئے اب ہم ایک ایک گوشے کو لے کر اس گوشے کی ذمہ داریوں کو تفصیل سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمیں ان چاروں گوشوں میں مسلسل جہاد کرنے کی ضرورت ہے۔

1۔ پہلا گوشہ: پابندیٔ شریعت کے لیے مسلسل جہاد

ایک مسلمان کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنی ذاتی زندگی میں شریعت پر عمل پیرا ہونے کے لیے مسلسل کوشاں رہے۔ اسی کوشش کو قرآن "جہاد" سے تعبیر کرتا ہے۔ ذاتی زندگی میں بھی شریعت پر عمل پیرا ہونے کے (دو) بڑے حصے ہیں۔

1۔ عبادات یعنی حقوق اللہ تعالیٰ

عبادت کے ذریعہ اللہ سے اپنے تعلق کو مضبوط کرنا۔ اس ضمن میں درج ذیل چند چیدہ چیدہ نکات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

1.1. فرض نمازوں کی باجماعت تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ ادائیگی کا اہتمام۔ خاص طور پر فجر اور عشاء پر خصوصی توجہ دینا۔ چونکہ ان دونوں نمازوں کے وقت انسان اپنی گھریلو و معاشی مصروفیات سے فارغ ہوتا ہے۔

2.1. تہجد کی نماز تعلق باللہ کو مضبوط بنانے میں بہت مؤثر ہے۔ ہمیں اس کو ادا کرنے کی حتیٰ الامکان کوشش کرنی چاہیے۔

3.1. ہمیں ہر حاجت اور ہر ضرورت کے لیے صلوٰۃ حاجت ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ علاوہ ازیں جب بھی ہمیں محسوس ہو کہ اللہ کی جناب میں کوئی غلطی ہو گئی ہے، کسی بندے کا کوئی حق ادا کرنے سے رہ گیا ہے تو اس کا حق ادا کرنے کی حتی الامکان کوشش کریں، اس سے معافی مانگیں اور فوری طور پر صلوٰۃ توبہ بھی ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔ ہمیں یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ حقوق العباد صرف توبہ کرنے سے معاف نہ ہوں گے۔

4.1. ہم اشراق اور چاشت کی نماز بھی ادا کرنے کی کوشش کریں۔

5.1. ہم اپنی ذاتی وضع قطع اور لباس کے معاملہ میں شریعت کی تعلیمات کو ملحوظ خاطر رکھیں۔

6.1. ہمیں چاہیے کہ قرآن مجید کی روزانہ تلاوت کرنے کے لیے اپنی آسانی کے مطابق ایک نصاب مقرر کر لیں۔ اور اس نصاب کے مطابق پابندی کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کو اپنا معمول بنائیں۔ البتہ ہمارے سامنے کم از کم روزانہ ایک پارہ کا ہدف رہنا چاہیے تا کہ ایک ماہ میں قرآن مجید مکمل ہو جائے۔

7.1. روحِ ربانی کو تقویت پہنچانے اور حصولِ ہدایت کے لیے روزانہ قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اس کے فہم [1] کو حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے ہمیں قرآن مجید کے ترجمہ اور تفسیر کے مطالعہ کو بھی معمول میں لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

---

(۱) سمجھ

8.1. ہم ہر قسم کے حرام سے کلیتاً اجتناب کرنے کی کوشش کریں، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر مکروہات اور مشتبہات سے بھی حتیٰ الامکان بچنے کی شعوری کوشش کریں۔

9.1. صاحبِ نصاب ہونے کی صورت میں بروقت زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کریں۔

درج بالا نکات تو اپنی ذات کے حوالہ سے شریعت پر عمل کرنے کے بارے میں تھے۔ اسی طرح دوسروں کے ساتھ معاملات میں بھی شریعت پر عمل کرنا بہت ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں بھی درج ذیل نکات پر عمل کرنا ضروری ہے۔

10.1. ہم جب بھی کسی سے وعدہ کریں تو اسے ضرور پورا کریں۔ کاروباری یا دفتری معاملات میں کیے گئے معاہدات کی بھی ضرور پابندی کریں۔ اگر ہمارے پاس کوئی چیز امانت رکھوائی گئی ہے تو اس کی بھی حفاظت کریں اور جب بھی واپسی کا مطالبہ کیا جائے تو فوراً واپس کر دیں۔

11.1. دوسرے رفقاء سے قرضِ حسنہ لیا ہو یا کوئی اور کاروباری لین دین کا معاملہ ہو تو ہمیں اس میں شرعی احکامات کو ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے۔

چونکہ رفقاء کے باہم مالی معاملات بالخصوص شراکت، قرض یا کسی اور قسم کا مالی لین دین انتہائی اہم اور نازک معاملات ہیں اور ان کے بارے میں واضح قرآنی ہدایات موجود ہیں، جس پر عمل کرنے میں کوتاہی سے عظیم نقصان ہو سکتا ہے، لہٰذا مالی معاملات میں ہمیں درج ذیل امور کا ضرور خیال رکھنا چاہیے۔

(i) مالی لین دین کے معاملہ کو باقاعدہ تحریری معاہدہ کی صورت میں مرتب کریں۔

(ii) اس تحریری معاہدہ پر متعلقہ نظمِ بالا کے دو ذمہ داران کو گواہ ٹھہرائیں۔

(iii) اس تحریر کی کاپی مقامی امیر یا امیر حلقہ کو بھی فراہم کریں۔

(iv) اس معاملے میں بھی احسان کا تقاضا یہ ہوگا کہ اگر مقروض کے لئے وقت پر قرض کی ادائیگی عملاً ممکن نہ ہو تو اسے مہلت پر مہلت دیتے چلے جائیں اور اگر ممکن ہو تو

قرض کو ہی معاف کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا بہت بڑا اجر ہے۔

1.12. ہم اپنے ذمہ فرائض کو کماحقہٗ ادا کرنے کی کوشش کریں اور اسی طرح دوسروں کے حقوق بھی حتی الامکان پوری طرح ادا کرنے کی کوشش کریں۔

1.13. اپنے اہل وعیال اور اپنے مامورین کے ساتھ مؤدت ورحمت، عفو ودرگزر اور شفقت کا اہتمام کریں۔

1.14. صداقت اور حق گوئی پر قائم رہنے کی شعوری کوشش کریں۔

1.15. ہم اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی خدمت کا بھرپور اہتمام کریں۔ قریبی رشتہ داروں کے ساتھ صلہٗ رحمی کا اہتمام کریں۔

1.16. مخلوط محافل سے اجتناب اور غضِّ بصر کا اہتمام کریں اور گھر کی خواتین کو شرعی پردہ کرنے کی ترغیب دلائیں۔

1.17. اکابرین، اہل علم اور بزرگانِ دین کا ادب واحترام کریں۔

دوسرا گوشہ: نفس کی تربیت اور اس کے محاسبہ کے لیے جہاد

2.1. ہمارے دین کا دوسرا اہم گوشہ خود اپنے نفس کی تربیت ہے۔ اس کا محاسبہ اور اس کی اصلاح کے لیے مسلسل کوشش کرنا ہے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ ہم حضور اکرم ﷺ کے خصائل کو اپنائیں۔ آپ ﷺ کی حتی الامکان کامل اتباع کرنے کی کوشش کریں۔ اس ضمن میں بھی درج ذیل نکات پر عمل کرنا سودمند ہوگا۔

2.2. اپنے خلوص نیت کا مسلسل جائزہ لیتے رہیں کہ میرا مقصدِ حیات اور نصب العین آخرت کی کامیابی ہے۔ جو کام بھی کریں اللہ کو راضی کرنے کے لیے اور آخرت میں کامیابی کے حصول کے لیے کریں۔

2.3. ہم کھانے پینے میں سادگی اپنائیں۔ ہماری خوراک متوازن ہونی چاہیے اور ایسی غذا ہو کہ ہم صحت مند رہ سکیں اور بخوبی عبادات اور اپنی معاشی جدوجہد کر

سکیں۔ شکم پروری اور محض ذائقہ کے لیے نہ کھائیں۔ اس سے نہ تو عبادت ہی صحیح طریقہ سے ہو سکے گی اور نہ ہی انسان صحت مند رہ سکے گا۔ کھانے پینے میں توازن اور اعتدال رکھیں۔ نہ تو بالکل ہی رہبانیت اختیار کر لیں کہ ہم کھانا پینا بالکل ہی چھوڑ دیں، ہمیں کمزوری لاحق ہو جائے اور بیمار پڑ جائیں۔ دوسری طرف یہ بھی نہ ہو کہ ہر وقت کھانے پینے ہی کی فکر ہو۔ آئے دن دعوتیں اڑائی جا رہی ہوں۔ یا اکثر فوڈ سٹریٹس کے دورے ہو رہے ہوں۔ یعنی کھانے پینے میں نہ تو رہبانیت ہی آ جائے اور نہ ہی تعیش پسندی غالب آ جائے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ان دونوں انتہاؤں سے بچیں۔

2.4. اسی طرح ہماری نیند اور آرام میں بھی توازن اور اعتدال کی کیفیت ہو۔ زیادہ نیند اور آرام سے ہمارے اندر کسل مندی اور سستی و کاہلی پیدا ہو گی اور کم نیند اور آرام سے ہماری طبیعت بوجھل رہے گی۔

2.5. ہمیں اچھے اخلاق و عادات اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ مثلاً زبان کی حفاظت۔ بلا وجہ گپ شپ سے پرہیز کرنا چاہیے، غیبت، چغلی، لعن طعن کرنا، ذرا ذرا سی بات پر بھڑک اٹھنا۔ مرضی کے خلاف معمولی سی بات پر شکایات کا انبار لگا دینا۔ ڈانٹنا اور ڈپٹنا یہ سب زبان کی آفات ہیں۔

2.6. اسی طرح ہم تکبر کے الفاظ بولنے سے پرہیز کریں۔ اپنے اندر تواضع، عاجزی اور انکساری پیدا کریں۔ جو رزق بھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ اس پر قناعت اختیار کریں اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہیں۔

2.7. ہمیں چاہیے کہ دکھ، بیماری اور پریشانی میں صبر کریں اور اللہ پر توکل کریں۔ راضی برضائے رب رہنے کی کوشش کریں۔ دکھ، بیماری اور صحت یابی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ البتہ دعا ضرور کرتے رہیں۔ اسی طرح دوسروں کے ساتھ معاملات اور بات چیت میں اگر مخاطب زبان درازی یا ایذا رسانی پر آمادہ ہو تو

تحمل کا مظاہرہ کریں۔ ہم جواباً اچھے اخلاق کا مظاہرہ کریں یا خاموش رہیں اور وہاں سے اٹھ کر آجائیں۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت حلم بھی ہے اور وہ اپنے بندوں میں بھی حلم دیکھنا چاہتا ہے۔ علاوہ ازیں دوسروں کی زیادتی کو معاف کردیں اور عفوودرگزر [۱] سے کام لیں۔

8.2. ہم اپنا جائزہ لیتے رہیں کہ کہیں ہمارے اندر کسی باطنی مرض مثلاً تکبر، نفاق، حسد، کینہ، بغض، غصہ، عُجب، حُبِّ دنیا، حُبِّ مال یاحُبِّ جاہ کی علامت تو موجود نہیں یا غیر ارادی یا غیر شعوری طور پر ان میں سے کوئی مرض ہمارے دل کے اندر پرورش تو نہیں پا رہا؟ اور اگر محسوس ہو کہ الحمد اللہ ہم ان سب بُرے خصائل سے محفوظ ہیں تو اللہ کا دل سے شکر ادا کریں اور اگر کوئی علامت محسوس ہو تو اللہ سے استغفار کے ساتھ ساتھ اسے دل سے نکالنے کی کوشش کریں۔ اگر کسی شخص کے خلاف ہمارے دل میں کینہ، بغض یا غصہ ہے تو اسے دور کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ ہم تہجد کے وقت اس کے لیے اللہ سے استغفار کریں اور اس کی صحت اور بچوں کے لیے برکت کی دعا کریں البتہ اس کے لیے ہمیں اپنے دل پر جبر کرنا پڑے گا۔

9.2. ہمیں اسراف (فضول خرچی مثلاً ضرورت سے زائد لباس اور گھریلو بے جا آرائش وغیرہ) اور تبذیر (مثلاً نمود و نمائش کے لیے خرچ، شادی بیاہ کے موقع پر آتش بازی، فائرنگ، چراغاں اور فینسی لائٹنگ وغیرہ) سے اجتناب کرنا چاہیے۔ قرآن و حدیث میں اسراف [۲] تبذیر [۳] کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ اس طرح ہم بدعات اور غیر مسنون رسومات سے اجتناب کی شعوری کوشش کریں۔ ہر خوشی اور غمی کے موقع پر حضور اکرم ﷺ کے طرزِ عمل کی اتباع کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔

---

(۱) معافی، چشم پوشی (۲) ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا (۳) محض دکھاوے کے لیے خرچ کرنا

10.2. ہم مسنون اذکار، دعائیں، استغفار اور درود پاک کا کثرت سے ورد کرنے کا اہتمام کریں۔ کوشش کریں کہ ہر وقت زبان کسی مختصر ذکر، استغفار یا درود پاک سے تر رہے۔ عبداللہ بن یسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْبًا بِذِکْرِ اللّٰہِ)) (رواہ ترمذی و ابن ماجہ احمد)

"تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے۔"

11.2. ہم ہر وقت باوضو رہنے کی کوشش کریں۔ اور خاص طور پر رات کو باوضو ہو کر بستر پر لیٹیں۔ وضو کی حالت میں ان شاء اللہ ہم اللہ سے قریب اور شیطان ہم سے دور رہے گا۔

12.2. ہم حسبِ استطاعت و موقع نفلی صدقات کا بھی ضرور اہتمام کریں۔ علاوہ ازیں محلہ میں اپنی امکانی حد تک خدمتِ خلق کے کسی کام میں ضرور حصہ لیں۔ اپنا سودا سلف لینے بازار جائیں تو پڑوسی سے بھی پوچھ لیں۔ کوئی بیوہ، بوڑھا یا ضرورت مند پڑوس میں ہو تو اس کے گھریلو مسائل میں اس کی مدد کر دیں۔ محلے میں کوئی شخص بیمار ہو تو اس کی تیمارداری کے لیے ضرور جائیں۔ کوئی شخص فوت ہو جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرنے کی ضرور کوشش کریں۔

13.2. ہمیں گھر میں کیبل ٹی وی کا کنکشن لینے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ ہم انٹرنیٹ کی سہولت سے صرف ضرورت کی حد تک فائدہ اُٹھائیں۔ انٹرنیٹ کا خود بھی غیر ضروری استعمال نہ کریں۔ اور اپنے گھر والوں کو بھی غیر ضروری استعمال سے روکیں۔

14.2. ہمیں چاہیے کہ ہم روزانہ ایک وقت مقرر کر کے اپنے اوقات اور اعمال کا جائزہ لیں۔ اپنا احتساب[1] خود کریں۔ اگر وقت ضائع کیا ہو یا کوئی غلط عمل سرزد ہو گیا ہو تو استغفار کریں۔ آئندہ ایسا نہ کرنے کا پختہ عزم کریں۔ دو رکعت "نماز صلوٰۃ

---

(۱) جائزہ

التوبہ" ادا کرنے کی کوشش کریں۔ اور اگر پچھلے 24 گھنٹوں کے دوران کوئی وقت ضائع نہیں ہوا اور کوئی غلط عمل بھی سرزد نہیں ہوا تو اللہ کا شکر ادا کریں۔

3۔ تیسرا گوشہ: دعوتِ دین کے لیے جہاد

3.1۔ سلوکِ محمدی ﷺ کا تیسرا گوشہ "دعوتِ دین کے ضمن میں جہاد" ہے۔ دعوتِ دین ہمارے دینی فرائض میں سے دوسرا بڑا فریضہ ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم لوگوں کو دین کی دعوت دیں۔ اس راستے میں حتی الامکان اپنی جان، مال اور وقت صَرف کریں۔ اس راستہ میں جو مشکلات آئیں ان پر صبر کریں۔ اس دعوت کے بھی دو پہلو ہیں۔ ایک انفرادی دعوت اور دوسرے اجتماعی دعوت۔ اس ضمن میں بھی ہمیں درج ذیل نکات ضرور پیش نظر رکھنے چاہئیں۔

3.2۔ ہم اپنے دوست، احباب اور قریبی رشتہ داروں کو ذاتی ملاقات کے ذریعے دین کے ہمہ گیر تصور سے متعارف کرائیں۔ انہیں اُن کے انفرادی اور اجتماعی فرائض سے آگاہ کریں۔ یہ کام الاقرب فالاقرب کی بنیاد پر ہونا چاہئے۔ یعنی جو ہمارے جتنا زیادہ قریب ہے وہ اتنا ہی زیادہ مستحق ہے کہ ہم اس کو سب سے پہلے دعوت دیں۔ لہٰذا سب سے پہلے ہمارے اوپر اپنے گھر والوں، بیوی، بچوں، بہن، بھائی اور والدین کی ذمہ داری ہے کہ اُن کو ان کے فرائض یاد دلائیں۔ ان پر مسلسل محنت کر کے ان کو صراطِ مستقیم پر چلانے کی کوشش کریں، گھر والوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے ان کے دل جیتنا اور ان کے لیے دینی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرنا از حد ضروری ہے۔ اس کے بعد ہمارے دوست، دفتر کے ساتھی اور قریبی رشتہ دار ہماری دعوت کے زیادہ حقدار ہیں اس طرح یہ دائرہ وسیع ہوتا چلا جائے گا۔

3.3۔ ہمیں دعوتِ دین کے کام میں حکمت کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہیے۔ الل ٹپ دعوت دینے کے بجائے موقع ومحل دیکھ کر دعوت دیں۔ جس شخص کو دعوت دی

جارہی ہو اس کی ذہنی سطح ضرور پیشِ نظر رہنی چاہیے۔ اگر وہ شخص کسی کام میں مصروف ہو تو جب وہ فارغ ہو جائے تب اس کو دعوت دیں۔ اگر مخاطب خواہ مخواہ کی بحث پر اتر آئے تو ماحول کو مکدّر ہونے سے بچائیں اور خاموش ہو جائیں۔ پھر دوبارہ کبھی اچھے موڈ میں ملاقات ہو تو اس وقت دوبارہ دعوت دیں۔ دعوت کے میدان میں خاص طور پر لڑائی جھگڑے اور ناراضگی کی نوبت آنے سے بچنا چاہیئے۔ دعوت ایسے دل نشیں انداز میں اور خلوص کے ساتھ دیں کہ مخاطب کو یقین ہو جائے کہ ہم اس کی بھلائی چاہتے ہیں۔ نصح اور خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ دعوت دیں۔ کہتے ہیں کہ:

"از دل خیزد بر دل ریزد" یعنی دل سے نکلی ہوئی بات دل پر جا کر لگتی ہے۔

4.3 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ گرامی ہے:

"كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ مَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ" (بخاری ومسلم)

ترجمہ: "تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہے۔"

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے دائرہ اختیار میں لوگوں کی اصلاح کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اپنے دائرہ اختیار کا مطلب ہے کہ جہاں جہاں ہمارا اثر ورسوخ ہو اور لوگ ہماری بات سنتے اور مانتے ہوں۔ مثلاً سب سے پہلے خود ہمارے اہل وعیال۔ ہم سب سے پہلے اپنے اہل خانہ کو حکمت اور تدریج کے ساتھ اچھی باتوں کی تلقین اور بُرے کاموں سے باز رہنے کی تاکید کرتے رہیں۔ اسی طرح اگر دفتر یا کاروبار کی جگہ پر کچھ لوگ ہمارے ماتحت ہیں اور ہماری بات سنتے ہیں تو ان کو بھی محبت کے ساتھ دعوت دیتے رہیں۔ تیسرے درجہ میں پھر ایک طالب علم اپنی جماعت کے ساتھیوں کو، دفتر میں کام کرنے والے اپنے ساتھ بیٹھنے والوں کو، ایک دکاندار اپنے گاہکوں کو موقع ومحل دیکھ کر اچھی باتیں بتا سکتا ہے اور بری باتوں سے منع کر سکتا ہے۔

5.3. ہم گھریلو اُسرہ [1] کا اہتمام کرنے کی بھی کوشش کریں تا کہ اپنے اہل خانہ کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جاسکے۔

6.3. دعوت دینے کا ایک اہم طریقہ یہ بھی ہے کہ ہم لوگوں کو اپنے تنظیمی اُسرہ کے حلقۂ قرآنی سے جوڑنے کی کوشش کریں نیز اپنے جرائد (میثاق یا ندائے خلافت)، دعوتی کتابچے یا آڈیوز اور ویڈیوز ان کو پڑھنے یا سننے کے لیے وقتاً فوقتاً دیتے رہیں۔

7.3. ہم تنظیم کے دعوتی اجتماعات کے انعقاد میں نہ صرف خود شرکت کریں بلکہ اپنے ساتھیوں کی بھی بھرپور مدد کریں اور اپنے احباب کو بھی اس میں شرکت کی دعوت دیں۔

4۔ چوتھا گوشہ: اقامت دین کے لیے مسلسل جہاد

1.4. سلوکِ محمدی ﷺ کا چوتھا گوشہ "اقامت دین کے لیے مسلسل جہاد" ہے۔ دین از خود قائم نہیں ہوگا۔ اس کے لیے جماعتی زندگی اور بھرپور جماعتی محنت از حد ضروری ہے۔ اقامتِ دین کا کام بغیر جماعت کے نہیں ہوسکتا اور جماعت بے معنیٰ ہے اگر اس کا کوئی امیر نہ ہو۔ پھر یہ کہ امیر کی سمع و طاعت بھی ضروری ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((لَا إِسْلَامَ إِلَّا بِجَمَاعَةٍ، وَلَا جَمَاعَةَ إِلَّا بِإِمَارَةٍ، وَلَا إِمَارَةَ إِلَّا بِطَاعَةٍ)) (سنن الدارمی)

ترجمہ: "بے شک جماعت کے بغیر اسلام نہیں اور امارت کے بغیر جماعت نہیں اور سمع و اطاعت کے بغیر امارت نہیں۔"

اس ضمن میں بھی درجِ ذیل نکات [2] مدِّ نظر [3] رکھنے ہوں گے۔

2.4. اقامت دین کی جدوجہد میں مصائب اور مشکلات کا لازماً سامنا کرنا ہوگا۔ یہ معاشی مشکلات بھی ہوسکتی ہیں اور گھریلو تعاون نہ ہونا جیسے مسائل بھی لاحق ہوسکتے ہیں۔ ان تمام مصائب اور مشکلات کو استقامت [4] کے ساتھ برداشت کرنا اور

---

(۱) خاندان (۲) باریک باتیں (۳) سامنے (۴) مضبوطی

صبر کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔

3.4. اگر کبھی کسی معاملہ میں غلط فہمی کی بنیاد پر یا کسی اور وجہ سے کسی کی دل آزاری یا حق تلفی ہو جائے تو فوراً متعلقہ ساتھی سے معذرت کر لیں اور باہمی تعلقات کی اصلاح کی بھرپور کوشش کریں۔

4.4. ہم اپنے امیر کی اطاعت کی اپنی امکانی حد تک شعوری کوشش کریں۔ اطاعتِ امیر میں اگر کسی مشکل یا پریشانی کا سامنا ہو، گھر میں کوئی اشد مصروفیت ہو یا دفتر سے چھٹی نہ ملنے کا مسئلہ ہو تو صاحبِ امر (نقیب، مقامی امیر وغیرہ) کے سامنے اپنے مسائل رکھیں اور ان سے غیر حاضری کے لیے اجازت طلب کریں۔

5.4. ہم اپنے حق میں حق تلفی یا ایذا رسانی[1] پر صبر اور درگزر سے کام لیں اور صاحبِ امر کے لیے دعا اور استغفار کا اہتمام کریں۔

6.4. ہم اپنی صلاحیتوں اور اوقات کا بہتر اور بیشتر حصہ غلبۂ دین کی جدوجہد میں لگانے کی کوشش کریں اور کم تر حصہ دنیاوی و معاشی مصروفیات میں لگانے کا اہتمام کرنے کی کوشش کریں۔ جوانی میں ہماری کارکردگی اور ہماری صحت بہتر ہوتی ہے۔ ہم کم وقت میں زیادہ کام کر سکتے ہیں۔ لہٰذا خاص طور پر جوانی کے زمانہ میں غلبۂ دین کی جدوجہد میں زیادہ حصہ لینا چاہیے۔ گو کہ معاشی جدوجہد نا گزیر ہے اور بقدرِ کفایت روزی کمانا بھی اہم ہے مگر جب دین کی مغلوبیت کا دور ہو اس صورت میں اپنے معیارِ زندگی کو بلند کرنے کی جدوجہد کرنا، آخرت کے نقطۂ نظر سے بہتر نہیں ہے۔ ہمیں بقدرِ کفایت روزی پر قناعت کرتے ہوئے اپنی صلاحیتیں اور اپنے اضافی اوقات غلبۂ دین کی جدوجہد میں صرف کرنے چاہیں۔

---

(۱) تکلیف پہنچنا

4.7. اُسرہ، تنظیم یا حلقہ جاتی اجتماعات میں باقاعدگی سے بروقت اور کل وقتی شرکت کو یقینی بنانے کی کوشش کریں۔

4.8. اگر امیر،نقیب یا دوسرے ساتھی رفقاء سے کسی معاملہ پر ہمارا اختلاف ہوجائے تو آداب وضوابط اور محل ومقام کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنا نقطۂ نظر (۱) بیان کردیں۔ اختلاف رائے کے اظہار میں کوشش کریں کہ کسی دوسرے ساتھی کی دل آزاری اور باہمی تکرار (۲) کی نوبت نہ آجائے۔

4.9. ہمیں اپنی ذاتی تربیت کی طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔ہم تنظیمی جرائد وکتب کا باقاعدگی سے مطالعہ کریں۔ تنظیمی تربیتی کورسز (مبتدی، ملتزم، ذمہ داران اور مدرسین) میں مرحلہ وار شرکت کریں۔ اسی طرح مبتدی، ملتزم، ذمہ داران اور مدرسین کے تربیتی نصاب کا بھی مطالعہ مکمل کریں تاکہ دینی فکر پختہ اور دینی ذمہ داریاں زیادہ بہتر طریقے سے ادا کرنے میں آسانی ہو نیز اس راستہ میں جو مصائب اور مشکلات آئیں ان پر استقامت اختیار کرنے اور صبر کرنے میں بھی کوئی دشواری نہ ہو۔

4.10. اقامتِ دین کی جدوجہد میں حسبِ استطاعت باقاعدگی سے اپنا مال بھی کھپانے کی کوشش کریں تاکہ جان اور مال دونوں سے جہاد کے قرآنی حکم پر عمل ہوسکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو دین کے تقاضے احسان کے درجے میں پورے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین

---

(۱) خیال (۲) بحث